

شفیق اور مہربان ہیں۔^(۱) (۱۲۸)
پھر اگر روگردانی کریں^(۲) تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے
لیے اللہ کافی ہے،^(۳) اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔
میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا
مالک ہے۔^(۴) (۱۲۹)

سورہ یونس مکی ہے اور اس کی ایک سو نو آیتیں ہیں اور
گیارہ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت
مہربان بڑا رحم والا ہے۔
الر۔ یہ پر حکمت کتاب کی آیتیں ہیں۔^(۵) (۱)
کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب^(۶) ہوا کہ ہم نے ان

قُلْ تَوَلَّوْا فَعَلَّ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝

سُورَةُ يُونُسَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الرَّسُولَ یَا أَيُّهَا الذِّکْرُ الْحَکِیْمُ ۝
أَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ أَنْ أَنْذِرِ النَّاسَ

- (۱)۔ یہ آپ کی چوتھی صفت بیان کی گئی ہے۔ یہ ساری خوبیاں آپ کے اعلیٰ اخلاق اور کریمانہ صفات کی مظہر ہیں۔ یقیناً
آپ ﷺ صاحب خلق عظیم ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(۲) یعنی آپ کی لائی ہوئی شریعت اور دین رحمت سے۔
(۳) جو کفر و اعراض کرنے والوں کے مکروکید سے مجھے بچالے گا۔
(۴) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ آیت حَسْبِيَ اللّٰهُ (الآیۃ) صبح اور شام سات سات مرتبہ پڑھ لے
گا، اللہ تعالیٰ اس کے ہوم (فکر و مشکلات) کو کافی ہو جائے گا۔ (سنن ابی داود۔ نمبر ۵۰۸۱)
☆ یہ سورت مکی ہے۔ البتہ اس کی دو آیات اور بعض نے تین آیات کو مدنی قرار دیا ہے۔ (فتح القدیر)
(۵) الْحَکِیْمُ کتاب یعنی قرآن مجید کی صفت ہے۔ اس کے ایک تو وہی معنی ہیں جو ترجمے میں اختیار کیے گئے ہیں۔ اس
کے اور بھی کئی معنی کئے گئے ہیں۔ مثلاً الْمُحْكَمُ یعنی حلال و حرام اور حدود و احکام میں محکم (مضبوط) ہے۔ حکیم بمعنی
حاکم۔ یعنی اختلافات میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے والی کتاب (البقرة۔ ۲۳) حکیم بمعنی محکوم فیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے
اس میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کیے ہیں۔

(۶) استفہام انکار تعجب کے لیے ہے، جس میں تو بیخ کا پہلو بھی شامل ہے۔ یعنی اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ
تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی ایک آدمی کو وحی و رسالت کے لیے چن لیا، کیونکہ ان کے ہم جنس ہونے کی وجہ سے وہ
صحیح معنوں میں ان کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ اگر وہ کسی اور جنس سے ہوتا تو فرشتہ یا جن ہوتا، اور دونوں ہی صورتوں میں

وَيَعْتَذِرُونَ آمَنُوا إِنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ
الْكَافِرُونَ إِنَّ هَذَا لَيُحْمَرُ مُبِينٌ ①

میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب
آدمیوں کو ڈرایئے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ
خوشخبری سنائیے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا اجر و
مرتبہ ^(۱) ملے گا۔ کافروں نے کہا کہ یہ شخص تو بلاشبہ صریح
جادوگر ہے۔ ^(۲) (۲)

بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین
کو چھ روز میں پیدا کر دیا پھر عرش پر قائم ہوا ^(۳) وہ ہر کام
کی تدبیر کرتا ہے۔ ^(۴) اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس
کے پاس سفارش کرنے والا نہیں ^(۵) ایسا اللہ تمہارا رب
ہے سو تم اس کی عبادت کرو، ^(۶) کیا تم پھر بھی نصیحت
نہیں پکڑتے۔ (۳)

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ
ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأُمُورَ لَمِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مَنْ
بَعْدَ إِذْنِهِ ذَلِكَ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ②

رسالت کا اصل مقصد فوت ہو جاتا، اس لیے کہ انسان اس سے مانوس ہونے کے بجائے وحشت محسوس کرتے۔
دوسرے، ان کے لیے اس کو دیکھنا بھی ممکن نہ ہوتا۔ اور اگر ہم کسی جن یا فرشتے کو انسانی قالب میں بھیجتے تو پھر وہی
اعتراض آتا کہ یہ تو ہماری طرح کا ہی انسان ہے۔ اس لیے ان کے اس تعجب میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔
(۱) ﴿قَدْ مَرَّصْنَاهُ﴾ کا مطلب، بلند مرتبہ، اجر حسن اور وہ اعمال صالحہ ہیں جو ایک مومن آگے بھیجتا ہے۔
(۲) کافروں کو جب انکار کے لیے کوئی اور بات نہیں سو جھٹی تو یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کر لیتے کہ یہ تو جادوگر ہے۔ نعوذ باللہ۔
(۳) اس کی وضاحت کے لیے دیکھئے سورہ اعراف آیت ۵۴ کا حاشیہ۔

(۴) یعنی آسمان و زمین کی تخلیق کر کے اس نے ان کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا، بلکہ ساری کائنات کا نظم و تدبیر وہ اس
طرح کر رہا ہے کہ کبھی کسی کا آپس میں تصادم نہیں ہوا، ہر چیز اس کے حکم پر اپنے اپنے کام میں مصروف ہے۔
(۵) مشرکین و کفار، جو اصل مخاطب تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بت، جن کی وہ عبادت کرتے تھے، اللہ کے ہاں ان کی
شفاعت کریں گے اور ان کو اللہ کے عذاب سے چھڑوائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وہاں اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو
سفارش کرنے کی اجازت ہی نہیں ہوگی۔ اور یہ اجازت بھی صرف انہی لوگوں کے لیے ہوگی جن کے لیے اللہ تعالیٰ پسند
فرمائے گا۔ ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى﴾ (الأنبياء: ۲۸) ﴿لَا تَقْبَلِي شَفَاعَتَهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَى﴾
(النجم: ۲۶)

(۶) یعنی ایسا اللہ، جو کائنات کا خالق بھی ہے اور اس کا مدبر و منتظم بھی علاوہ ازیں تمام اختیارات کا بھی کلی طور پر وہی
مالک ہے، وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعَذَابُ اللَّهِ حَقًّا إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيُعْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے، اللہ نے سچا وعدہ کر رکھا ہے۔ بیشک وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا تاکہ ایسے لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے انصاف کے ساتھ جزا دے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے واسطے کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور دردناک عذاب ہو گا ان کے کفر کی وجہ سے۔^(۱) (۳)

وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا^(۲) اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔^(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں۔ وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتلا رہا ہے جو دانش رکھتے ہیں۔ (۵)

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ
لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ
يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

(۱) اس آیت میں قیامت کے وقوع، بارگاہ الہی میں سب کی حاضری، اور جزا و سزا کا بیان ہے۔ یہ مضمون قرآن کریم میں مختلف اسلوب سے متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔

(۲) ضِيَاءٌ ضَوْءٌ کے ہم معنی ہے۔ مضاف یہاں محذوف ہے ذَاتِ ضِيَاءٍ وَالْقَمَرَ ذَا نُورٍ سورج کو چمکنے والا اور چاند کو نور والا بنایا۔ یا پھر انہیں مبالغے پر محمول کیا جائے گویا کہ یہ بذات خود ضیا اور نور ہیں۔ آسمان و زمین کی تخلیق اور ان کی تدبیر کے ذکر کے بعد بطور مثال کچھ اور چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کا تعلق تدبیر کائنات سے ہے، جس میں سورج اور چاند کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ سورج کی حرارت و تپش اور اس کی روشنی، کس قدر ناگزیر ہے اس سے ہر باشعور آدمی واقف ہے۔ اسی طرح چاند کی نورانیت کا جو لطف اور اس کے فوائد ہیں، وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ حکما کا خیال ہے کہ سورج کی روشنی بالذات ہے اور چاند کی نورانیت بالعرض ہے جو سورج کی روشنی سے مستفاد ہے۔ (فتح القدیر) واللہ اعلم بالصواب۔

(۳) یعنی ہم نے چاند کی چال کی منزلیں مقرر کر دی ہیں ان منزلوں سے مراد وہ مسافت ہے جو وہ ایک رات اور ایک دن میں اپنی مخصوص حرکت یا چال کے ساتھ طے کرتا ہے۔ یہ ۲۸ منزلیں ہیں۔ ہر رات کو ایک منزل پر پہنچتا ہے جس میں کبھی خطا نہیں ہوتی۔ پہلی منزلوں میں وہ چھوٹا اور باریک نظر آتا ہے، پھر بتدریج بڑا ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ چودھویں شب یا چودھویں منزل پر وہ مکمل (بدر کامل) ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ سکڑنا اور باریک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ آخر میں ایک یا دو راتیں چھپا رہتا ہے۔ اور پھر ہلال بن کر طلوع ہو جاتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم برسوں کی گنتی

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ①

بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور
اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان
سب میں ان لوگوں کے واسطے دلائل ہیں جو اللہ کا ذکر
رکھتے ہیں۔ (۶)

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَاطْمَأَنَّنُوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلَتِنَا غَافِلُونَ ②

جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے اور وہ
دنوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں
اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔ (۷)

أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ النَّارُ بِهَا كَالَّذِينَ يَكْسِبُونَ ③

ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے
دورِ رخ ہے۔ (۸)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ
بِأَيِّمَانِهِمْ يُجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ④

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان
کا رب ان کو ان کے ایمان کے سبب ان کے مقصد تک
پہنچا دے گا^(۱) نعمت کے باغوں میں جن کے نیچے نہریں
جاری ہوں گی۔ (۹)

دَعْوُهُمْ فِيهَا يُسَبِّحُكَ اللَّهُمَّ وَحَيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَالْآخِرُ

اور حساب معلوم کر سکو۔ یعنی چاند کی ان منازل اور رفتار سے ہی مہینے اور سال بنتے ہیں جن سے تمہیں ہر چیز کا حساب
کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ یعنی سال ۱۲ مہینے کا، مہینہ ۲۹، ۳۰ دن کا۔ ایک دن ۲۴ گھنٹے یعنی رات اور دن کا۔ جو ایام استوا
میں ۱۲، ۱۲ گھنٹے اور سردی گرمی میں کم و بیش ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں دنیوی منافع اور کاروبار ہی ان منازل قمر سے وابستہ
نہیں۔ دینی منافع بھی اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طلوع ہلال سے حج، صیام رمضان، اشہر حرم اور دیگر عبادات کی
تعیین ہوتی ہے جن کا اہتمام ایک مومن کرتا ہے۔

(۱) اس کے ایک دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ دنیا میں ایمان کے سبب، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان کے لیے پل
صراط سے گزرنا آسان فرمادے گا، اس صورت میں یہ ”با“ بسبب کے لیے ہے۔ بعض کے نزدیک یہ استعانت کے لیے
ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ان کے لیے ایک نور مہیا فرمائے گا جس کی روشنی میں وہ چلیں
گے، جیسا کہ سورہ حدید میں اس کا ذکر آتا ہے۔

(۲) یعنی اہل جنت، اللہ کی حمد و تسبیح میں ہر وقت رطب اللسان رہیں گے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ”اہل جنت
کی زبانوں پر تسبیح و تحمید کا اس طرح الہام ہو گا جس طرح سانس کا الہام کیا جاتا ہے“ (صحیح مسلم، کتاب الجنة
وصفة نعيمها، باب فی صفات الجنة وأهلها وتسبیحهم فیها بکرة وعشبا) یعنی جس طرح بے اختیار
سانس کی آمد و رفت رہتی ہے، اسی طرح اہل جنت کی زبانوں پر بغیر اہتمام کے حمد و تسبیح الہی کے ترانے رہیں گے۔

دَعَوْهُمْ أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

وَلَوْ يَعْلَمُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَعْبَجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَفَضَّلَ
إِلَيْهِمْ أَجَلَهُمْ فَتَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي
طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

وَإِذْ آمَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنَّةٍ أُوقَاعِهَا أَوْ قَالِمًا
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ غُصْرَهُ تَرَاهُ مَرَّكَانًا لَمْ يَدْعُنَا إِلَى ضَرِّ
مَسَّهُ كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

باہمی سلام یہ ہو گا ”السلام علیکم“^(۱) اور ان کی اخیر بات یہ
ہو گی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہان کا
رب ہے۔ (۱۰)

اور اگر اللہ لوگوں پر جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا
جس طرح وہ فائدہ کے لیے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا
وعدہ کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا۔^(۲) سو ہم ان لوگوں کو جن کو
ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے ان کے حال پر
چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے
رہیں۔ (۱۱)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا
ہے لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی۔ پھر جب ہم اس کی
تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا
اس نے اپنی تکلیف کے لیے جو اسے پہنچی تھی کبھی ہمیں

(۱) یعنی ایک دوسرے کو اس طرح سلام کریں گے، نیز فرشتے بھی انہیں سلام عرض کریں گے۔

(۲) اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح انسان خیر کے طلب کرنے میں جلدی کرتا ہے، اسی طرح وہ شر (عذاب) کے طلب کرنے میں بھی جلدی مچاتا ہے، اللہ کے پیغمبروں سے کہتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے کر آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ان کے اس مطالبے کے مطابق ہم جلدی عذاب بھیج دیتے تو کبھی کے یہ موت اور ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوتے۔ لیکن ہم مہلت دے کر انہیں پورا موقع دیتے ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جس طرح انسان اپنے لیے خیر اور بھلائی کی دعائیں مانگتا ہے جنہیں ہم قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان غصے یا تنگی میں ہوتا ہے تو اپنے لیے اور اپنی اولاد وغیرہ کے لیے بددعائیں کرتا ہے، جنہیں ہم اس لیے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ زبان سے تو ہلاکت مانگ رہا ہے، مگر اس کے دل میں ایسا ارادہ نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم انسانوں کی بددعاؤں کے مطابق انہیں فوراً ہلاکت سے دوچار کرنا شروع کر دیں، تو پھر جلد ہی یہ لوگ موت اور تباہی سے ہمکنار ہو جایا کریں اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ”تم اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے اور اپنے مال و کاروبار کے لیے بددعائیں مت کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بددعائیں، اس گھڑی کو پالیں، جس میں اللہ کی طرف سے دعائیں قبول کی جاتی ہیں، پس وہ تمہاری بددعائیں قبول فرما لے۔“ (سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب النہی عن أن بدعو الإنسان علی أهلہ ومالہ۔

ومسلم، کتاب الزہد، فی حدیث جابر الطویل)